OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

ضیاالرحمن الاعظمی کی "المدخل الی الجامع الکامل": ایک مطالعہ

A Study of Zia-ul-Rahman Azmi's " *Al-Madkhal Ilā al-Jāmi‘ al-Kāmil*"

Hafiz Muhammad Shahbaz
Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Sargodha
Aftab Khatoon
Lecturer in Islamic History (Govt. Girls College Gambat Sindh) M Phil Shah Abdul Latif University Khairpur
Hafiz Abdul Qahar
Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Sargodha

Abstract

Dr. Zia-ul-Rahman Azmi's writings in the science of hadith are concerned, "Al-Jami-ul-Kamal" is the most reliable scholarly effort. At the beginning of this book, Sheikh Azmi has written a detailed case called "Al-Mudkhal" which consists of about three hundred pages. Is. You have started this entry with the chain of hadith because the chain of transmission is very important for those who are interested in the science of hadith. The importance of hadith has been clarified by presenting arguments on the Messenger and obedience to the Messenger. Then they mention the Muhaditheen from the first century to the third century with the position and rank of their works. Muhadditheen Sita and other muhadditһs who have collected only authentic hadiths discuss their methods at length, present the reasons for the compilation of Al-Jaami al-Kamal and the method they have chosen in it with great explanation, the hadiths of virtues and commands at the end of the introduction. I also express my opinion while describing the methods of Muhadditheen.

Key Words: Ḥadith concerned, importance, obedience, Muhaditheen, authentic hadiths, compilation, introduction

تمہید

دنیا کے تمام مذاہب و ادیان میں یہ امتیاز صرف دینِ اسلام کو حاصل ہے۔ کہ اس کے تمام شرعی علوم واحکام اپنے کہنے والے کے ساتھ ایک سند کے ذریعے قائم اور مربوط ہوتے ہیں۔ اسی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے علومِ اسلامیہ کی استنادی حیثیت بہت مضبوط ہے۔ اس کے برعکس دیگر ادیان اور مذاہب کے بنیادی عقائد سے لے کر عام علوم تک کی حیثیت نہ صرف مشکوک ہے بلکہ ناقابلِ اعتماد بھی ہے۔ اس امت محمدیہ نے اپنی تاریخ کی ابتدا ہی سے حدیث کی صحت وضعف کو جاننے کے لیے سند کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ سند کے بغیر کسی حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا تھا، اور نہ ہی سماع کے بغیر کسی کتاب کو قبول کیا جاتا تھا، مستشرقین کو جب اس بات کا علم ہو تو انہوں نے بڑی حیرانگی کا اظہار کیا بعض معتدل مستشرقین نے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ (جیسے ڈاکٹر اے سپرنگر نے "الاصابہ" کے مقدمے میں) مسلمانوں کے پاس علم اسماالرجال کا ایسا فن ہے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی جس کے تحت انہوں نے پانچ لاکھ افراد کے حالات کو ولم بند کیا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر اعظمیؒ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر اے سپرنگر کی یہ بات بہت مبالغہ خیز ہے جبکہ حقیقت میں پانچویں صدی تک جن رجال کے حالات قلم بند کیے گے تھے ان کی تعداد پچاس ہزار یا ساٹھ ہزار سے زیادہ نہیں ہے[1]۔ ہاں اگر وہ اپنے زمانے تک کی بات کر رہا ہے یعنی اٹھارویں صدی تک کی تو پھر اس کی بات قابل یقین ہو سکتی ہے ورنہ اس کی بات میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر ضیاءالرحمان اعظمیؒ کی علم حدیث میں تصنیفات کا جہاں تک تعلق ہے ان میں "الجامع الکامل" انتہائی معتبر علمی کاوش ہے شیخ اعظمیؒ نے اس کتاب کے شروع میں "المدخل" کے نام سے ایک مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے جو کہ تقریبا تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مدخل کی ابتدا آپ نے سندِ حدیث سے کی ہے کیونکہ علوم الحدیث سے شغف رکھنے والوں کے لیے سند کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ تدوین حدیث کے زمانے میں تو ایک ایک حدیث کو سند کے ساتھ سنایا اور روایت کیا جاتا تھا اس کے بعد اتباع رسول اور اطاعت رسول پر دلائل پیش کرتے ہوئے حدیث کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ پھر قرون اولی سے قرون ثالث تک کے محدیثین کا تذکرہ ان کی تصانیف کے مقام ومرتبے کے ساتھ کرتے ہیں۔ محدثین ستہ اور دیگر محدثین جنہوں نے صرف صحیح احادیث کو جمع کیا ہے انکے مناہج پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں، الجامع الکامل کا سبب تالیف اوراس میں اپنا اختیار کردہ منہج بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں، المدخل کے آخر میں فضائل اور احکام کی احادیث میں محدثین کے مناہج کو بیان کرتے ہوئے اپنی رائے کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ یہاں ہم سب سے پہلے سند پر بات کریں گے جسے ڈاکٹر اعظمیؒ نے اپنی کتاب الجامع الکامل کے مقدمے میں سب سے پہلے ذکر کرتے ہوئے اس کی اہمیت اور افادیت کو بیان کی کیا ہے۔

سند کی تعریف: لغت میں سند سے مراد اونچی زمین، پہاڑ یا بلندی پر چڑھنا، نیچے سے اوپر جانا۔[2] جبکہ عام اصطلاح میں "رفع القول إلى قائله" یعنی قول کی نسبت اپنے کہنے والے کی طرف کرنے کا نام سند ہے۔ حدیث کی اصطلاح میں حافظ ابن جماعہؒ (۷۳۳ھ) اور علامہ طیبیؒ (۷۴۳ھ) نے اس کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے" ہو رفع الحدیث إلى قائله۔" حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ (۹۰۲ھ) نے سند کی تعریف " حکایۃ طریق المتن"[3] سے کی ہے، جن کا حاصل معنی تقریباً ایک نکلتا ہے، یعنی متن تک پہنچنا، کسی حدیث کی سند بیان کرنا، جبکہ سند سے مراد ہے راویوں کا وہ سلسلہ جو حدیث کے

ابتدائی راوی سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہو، اس کی مثال بخاری سے یہ حدیث ہے۔" حدثنا مسدد، قال:حدثنا يحيٰى، عن شعبة، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حتّٰى يُحبَّ لأَخيهِ ما يحبُّ لِنَفْسِهِ"[4] اس میں حدثنا اور عن کے الفاظ کے ساتھ جو ناموں کا ایک سلسلہ ہے یہ ساری سند ہے "عن النبی ﷺ قال" کے بعد جو عبارت ہے وہ اصل متنِ حدیث ہے۔

سند کا آغاز وارتقاء: سند کی ابتداء صغار صحابہؓ کے زمانے میں اس وقت ہوئی، جب اسلامی ریاست داخلی فتنوں کی آماجگاہ بن گئی، مسلمانوں میں مختلف عقائد و آراء رکھنے والی جماعتیں وجود میں آگئیں، جس کا اثر براہِ راست حدیثی روایات پر پڑا، تو ائمہ حدیث نے سند کا مطالبہ شروع کیا۔ مشہور تابعی امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:لم يكونوا يسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا:سموا لنا رجالكم، فينظر إلى أہل السنة فيؤخذ حديثہم وينظر إلى أہل البدع فلا يؤخذ حديثہم۔"[5] سند کے ابتدائی مطالبے کے سلسلے میں ایک واقعہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں بھی ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں :بشیر بن کعب عدوی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر احادیث سنانے لگا۔ آپ نے نہ اس کی حدیث سنی اور نہ اس کی جانب کوئی التفات کیا، بشیر بن کعب آپ کا یہ طرز عمل دیکھ کر کہنے لگا: کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میری حدیث نہیں سن رہے، حالانکہ میں آپ ﷺ سے سنی ہوئی روایت بیان کر رہا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرمانے لگے: ایک دور تھا کہ جب ہم کسی کی زبان سے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سنتے، تو ہماری نگاہیں اس کی جانب دوڑ پڑتی تھیں، اور ہم ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ اب جبکہ حالت بدل گئی، لوگوں میں اچھے برے کی تمیز نہیں رہی، تو ہم صرف انہیں باتوں کو قبول کریں گے، جو ہم پہلے جانتے تھے۔"[6] سند حقیقت میں کسی بھی علم کے قابلِ اعتبار ہونے یا نہ ہونے کا اہم ذریعہ ہوتا ہے۔ خصوصاً علوم الحدیث کے پورے ذخیرے کا دار مدار سند میں مذکور راویوں پر ہوتا ہے۔ راوی ثقہ ہیں تو حدیث بھی قابلِ قبول ہوتی ہے، ورنہ اس حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا اس لیے حافظ علامہ ابو سعد السمعانی رحمہ اللہ (۵۶۲ھ) "أدب الإملاء والاستملاء" میں لکھتے ہیں :

"وألفاظ رسول الله صلى الله عليه وسلم لا بد لہا من النقل، ولا تعرف صحتُہا إلا بالإسناد الصحيح، والصحة في الإسناد لا تعرف إلا برواية الثقة عن الثقة والعدل عن العدل۔"[7]

سند کی اہمیت پر ائمہ کے اقوال

- امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: "إِنَّمَا ہٰذَا الْعِلْمُ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَه"[8].
- امام عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ (۱۸۱ھ) فرماتے ہیں: "بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْقَوَائِمُ يَعْنِي الْإِسْنَادَ".نیز فرمایا:الْإِسْنَادُ مِنَ الدِّينِ، وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ".
- امام ابو عبد اللہ حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں: لَوْلَا الْإِسْنَادُ وَطَلَبُ ہٰذِہِ الطَّائِفَةِ لَه، وَكَثْرَةُ مُوَاظَبَتِہِمْ عَلٰى حِفْظِہٖ لَدَرَسَ مَنَارُ الْإِسْلَامِ، وَلَتَمَكَّنَ أَہْلُ الْإِلْحَادِ وَالْبِدَعِ فِيهِ بِوَضْعِ الْأَحَادِيثِ، وَقَلْبِ الْأَسَانِيدِ، فَإِنَّ الْأَخْبَارَ إِذَا تَعَرَّتْ عَنْ وُجُودِ الْأَسَانِيدِ فِيہَا كَانَتْ بُتْرًا[9].
- امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) فرماتے ہیں: "لَمْ أَعْتَبِرْ ذٰلِكَ الضَّعِيفَ لِأَنَّ رِوَايَةَ الْوَاہِيْ وَمَنْ لَّمْ يَرْوِ سِيَّانِ"[10]. نیز فرماتے ہیں : "كَأَنَّ مَا رَوَى الضَّعِيفُ وَمَا لَمْ يَرْوِ فِي الْحُكْمِ سِيَّانِ."

ان تمام اقوال سے ائمہ محدثین کا سند کی اہمیت پر ایک واضح موقف سامنے آتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں نہ صرف علمِ حدیث، بلکہ باقی علوم وفنون میں بھی سند کا رواج پایا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر کی تمام روایات، سیرت ومغازی کا ہر ہر واقعہ، علم قراءات کا ایک ایک طریق، اور فقہ کا ایک ایک جزئیہ سند کے ساتھ محفوظ ہے۔ اور یہ طرزِ عمل علومِ دینیہ کے ساتھ ہی خاص نہیں رہا، بلکہ ادب، شعر، بلاغت، صرف، نحو اور لغت سب کی سندیں محفوظ ہیں۔ سند کی مذکورہ روایت صرف مسلمانوں کی خصوصیت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو نوازا ہے، کسی اور قوم کے ہاں اس کا تصور بھی نہیں۔ ابتدا میں تو ایک ایک حدیث کو سند کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا جب احادیث کا ذخیرہ کتابی شکل میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا تو اب ایک ایک حدیث کی بجائے مدون کتابیں سندو کے ساتھ روایت کی جانے لگی کہ مولف کتاب سے کن کن شاگردوں نے یہ کتاب سنی پھر ان سے کن کن تلامذہ نے سنی اور یہ مبارک سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے علم حدیث میں ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمیؒ کا سلسلہ نسب بھی کبار محدثین و مولفین سے جاملتا ہے۔ جیسے المدخل کی ابتدا میں ڈاکٹر اعظمیؒ نے بیان کیا ہے جن میں پہلی تین سندے جامعہ دارالسلام کے تین بزرگ اساتذہ: شیخ الحدیث مولانا عبدالواحد عمری رحمانی، شیخ الحدیث مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری اور شیخ الحدیث مولانا ظہیر الدین اثری رحمانی کے توسط سے ملی ہوئی ہیں امام بخاری تک ڈاکٹر اعظمیؒ کا سلسلہ سند تقریباً چوبیس واسطوں سے پہنچتا ہے اسی طرح امام مسلم تک کا سلسلہ سند تقریباً پچیس واسطوں سے پہنچتا ہے جسے ڈاکٹر اعظمیؒ نے "المدخل" میں کچھ اس طرح سے اس کا ذکر کیا ہے۔

ڈاکٹر اعظمی کا سلسلہ سند

محمد بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ (ت 11ھ)

- انس بن مالک (ت 93ھ)
- حمید بن ابی حمید الطویل (ت 143ھ)
- محمد بن عبد اللہ النصاری (ت 215ھ)
- الامام محمد بن اسماعیل البخاری (ت 656ھ)
- محمد بن یوسف الفربری (ت 320ھ)
- عبد اللہ بن احمد السرخسی (ت 381ھ)
- عبد الرحمن بن محمد بن مظفر الداودی (ت 467ھ)
- ابو الوقت وعبد الاول السجزی الھروی (ت 553ھ)
- حسین بن مبارک الزبیدی (ت 631ھ)
- احمد بن ابی طالب الحجار الصالحی (ت 730ھ)
- ابراہیم بن احمد التنوخی الدمشقی (ت 800ھ)
- الحافظ ابن حجر العسقلانی (ت 852ھ)
- زین الدین زکریا بن محمد الانصاری (ت 935ھ)
- محمد بن احمد الرملی (ت 1004ھ)

- احمد بن علی بن عبد القدوس الشناوی (ت 1038ھ)
- احمد بن محمد القشاشی (ت 1071ھ)
- ابراہیم بن حسن الکردی المدنی (ت 1101ھ)
- محمد بن ابراہیم الکردی المدنی (ت 1145ھ)
- الشاولی اللہ الدھلوی (ت 1176ھ)
- الشاہ عبد العزیز بن ولی اللہ الدھلوی (ت 1239)
- الشاہ محمد اسحاق الدھلوی (ت 1262ھ)
- السعد نذیر حسین الدھلوی (ت 1320ھ)
- احمد اللہ بن امیر القریشی (ت 1362ھ)
- عبد الواجد بن عبد اللہ الرحمانی (ت 1409ھ)
- محمد عبد اللہ الاعظمی (المعروف بالضیاء)[11]

اس طرح یہ صحیح بخاری کا سلسلہ سند شیخ عبد الوجد رحمانی سے شروع ہو کر چوبیس واسطوں سے آپ ﷺ تک پہنچتا ہے

صحیح مسلم سے ڈاکٹر اعظمی کا سلسلہ سند

محمد بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ (ت 11ھ)

- انس بن مالک (ت 93ھ) (صحیح مسلم حدیث نمبر 1791)
- ثابت بن اسلم البنانی (ت 127ھ)
- حماد بن سلمۃ (ت 167ھ)
- عبد اللہ بن مسلمۃ بن قعنب (221ھ)
- مسلم بن حجاج (ت 261ھ)
- ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ (ت 308ھ)
- ابو احمد محمد بن عیسیٰ بن عمرویہ الجلودی (ت 368ھ)
- ابو الحسین عبد الغافر الفارسی النیساپوری (ت 448ھ)
- محمد بن الفضل الفراوی النیساپوری (ت 530ھ)
- محمد بن صدقۃ الحرانی
- احمد بن عبد الدائم
- ابو الفرج عبد الرحمن المقدسی
- الشریف ابو طاہر محمد بن کویک
- ابو نعیم رضوان العقبی
- الزین زکریا

- الشمس الرملی
- فاطمہ الشہرزوریۃ
- ابراہیم بن محمد الداعی
- محمد بن الطیب المغربی
- العلامۃ عبد القادر بن احمد
- محمد بن علی الشوکانی (ت 1250ھ)
- عبد الحق البنارسی (1276ھ)
- الحافظ عبد المنان (ت 1333ھ)
- الحافظ محمد الغوندلوی (ت 1405ھ)
- الشیخ عبد السبحان بن محمد نعمان الاعظمی (ت 1990م)[12]

محمد عبد اللہ الاعظمی (المعروف بالضیاء)

اس طرح یہ صحیح مسلم کا سلسلہ سند شیخ عبد السبحان الاعظمی سے شروع ہو کر پچیس واسطوں سے آپ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد المدخل کی اہم مباحث میں ڈاکٹر اعظمی اتباعِ سنت پر مدلل بحث کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنی اطاعت کے ساتھ نبی کی اطاعت کو جوڑ دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: "یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ"[13] اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کوئی عمل کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو اگر اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو وہ عمل رائیگاں ہو گا اسی اتباع رسول ﷺ پر قرآن و سنت سے بے شمار دلائل پیش کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔

سنت کیا ہے

سین اور نون مشدد میں قوت، پختگی اور متوارث عادات کا مفہوم ہوتا ہے، سن، اسنان، مسنون، سن دانت کو کہتے ہیں سنسن نیزے پھل پر بھی بولا جاتا ہے۔ مسنون خشک کیچڑ پر بولا جاتا ہے سنۃ، ان تمام الفاظ کا ایک ہی ماخذ ہے۔ سنت لغت میں راستے اور طریقے کو کہتے ہیں، خواہ اچھا ہو یا برا۔ اس کی دلیل نبی ﷺ کی یہ حدیث ہے۔[14] "من سن سنة حسنة فله اجروها و اجرمن عمل بها الى يوم القيمة و من سن سنة سيئة فعليه وزرهاووزرمن عمل بها الى يوم القيمة"[15]

اصطلاحی مفہوم

محدثین کی اصطلاح میں نبی ﷺ سے جو قول، فعل، تقریر، جسمانی یا اخلاقی صفت اور سیرت جو بعثت سے قبل یا بعد منقول ہو اسے سنت کہتے ہیں۔ اس تعریف کے لحاظ سے بعض محدثین کے نزدیک حدیث و سنت دونوں ایک ہی چیزیں ہیں۔ حدیث و سنت سے ہماری مراد بھی یہی ہے۔ علماء اصول کی اصطلاح میں نبی ﷺ سے منقول قول، فعل یا تقریر کو سنت کہتے ہیں۔

1۔ سنت قولی

شرعی احکام سے متعلق جو بات آپ ﷺ نے کسی موقع پر ارشاد فرمائی ہو اس کو سنت قولی کہتے ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا: "انما الاعمال بالنیات"

2۔ سنت فعلی

صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی عبادات یا دیگر معاملات سے متعلق حضور ﷺ کے جو افعال نقل وروایت کیے ہوں ان کو سنت فعلی کہتے ہیں۔ مثلاً نمازوں کی ادائیگی، احکام حج، آداب صیام وغیرہ۔

3۔ سنت تقریری

آپ ﷺ کی موجودگی میں جو کام کیا گیا ہو اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی ہو یا اس پر اظہار پسندیدگی فرمایا ہو اس کو سنت تقریری کہتے ہیں۔ بعض اوقات سنت کا اطلاق ہر اس کام پر کیا جاتا ہے جو شرعی دلیل سے ثابت ہو خواہ وہ قرآن میں موجود ہو، نبی ﷺ سے منقول ہو یا صحابہؓ کے اجتہاد پر مبنی ہو۔ مثلاً قرآن کریم کو جمع کرنا، حضرت عثمان کا لوگوں کو ایک قراءت پر متحد کرنا دفتری نظام قائم کرنا وغیرہ۔

عہد رسالت ومابعد میں اتباع سنت کے مظاہر

دین اسلام آج بھی ایک مذہب اور ریاست کے طور پر موجود ہے اور انسان کی براہ راست رہنمائی کرتا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم عہد رسالت میں شرعی احکام قرآن کریم سے معلوم کرتے اور قرآن کریم آپ ﷺ سے اخذ کیا کرتے تھے بسا اوقات آیات قرآنیہ مجمل بلا تفصیل یا مطلق بلا قید وشرط نازل ہوا کرتی تھیں مثلاً قرآن میں نماز کا حکم مجملاً وارد ہوا۔ نہ اس میں رکعات کا ذکر تھا نہ شکل وصورت اور اوقات کا۔ اسی طرح زکوۃ کا حکم مطلقاً نازل ہوا تھا۔ اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کتنے مال پر زکوۃ فرض ہے اسکی مقدار اور شرائط کیا ہیں؟ لہٰذا اس صورت میں صحابہ کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر احکام کی تفصیلات معلوم کریں۔ اسی طرح صحابہ بہت سے ایسے حوادث سے دوچار ہوتے جن کا حل قرآن میں مذکور نہیں تھا۔ اس کے حل کے لیے صحابہ کرام کو آپ ﷺ سے رجوع کرنا پڑتا تھا کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک داعی ومبلغ بن کر مبعوث ہوئے تھے آپ ﷺ کے اسی منصب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح ذکر کیا ہے: "وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ"[16] اس آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا بیان اور اسکی وضاحت آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے قرآن نے اگر نماز کا حکم دیا ہے تو اس کا مکمل طریقہ ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح روزہ کیسے رکھنا؟ حج کیسے کرنا؟ ان تمام امور کا فہم سنت کے بغیر ممکن نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "ألا إنی أوتيت القرآن ومثله معه"[17] اس مثل سے مراد ہے آپ ﷺ کا بیان، حدیث اور سنت ہے اب ہر اعمال کی قبولیت کے لیے اطاعت کے دائرے میں رہنا ضروری ٹھہرا اگر اطاعت کے دائرے سے باہر ہو گا تو وہ عمل رایئگاں ہے اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: "نظرت فی المصحف فو جدت طاعة الرسول ﷺ فی ثلاثة و ثلاثين موضعا"[18] پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت کیا"۔ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ"[19] اس آیت مبارکہ میں جس مخالفت کا ذکر ہے وہ آپ ﷺ کے منہاج' طریقے اور سنت ہے کہ اس سے ہٹ کر کوئی شرعی کام نہ ہو اگر ایسا ہو گا تو اس کی سزا قرآن میں بالکل واضح کر دی گی ہے ایک مومن کے لیے صحیح حدیث آجانے کے بعد کوئی عذر باقی نہیں رہتا کہ وہ اسے تسلیم نہ کریں۔

سنت کی اتباع آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں اور اس کے بعد

آپ ﷺ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں اسلام آج بھی ایک مذہب اور ریاست کے طور پر موجود ہے جس طرح آپ ﷺ کی اتباع براہ راست سننے والے پر واجب اور ضروری تھی اسی طرح بعد میں آنے والوں کے لیے بھی ضروری اور واجب ہے

جب مخبر صادق اور ثقہ ہو گا تو اس کی بات کو قبول کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی پورا ہو گا، "وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ٭ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ"۔[20] ابو ہریرہؓ سے مرفوعا مروی ہے: "من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله"[21] اسی طرح ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "كل أمتي يد خلون الجنه إلا من أبى، قيل: يا رسول الله، ومن يأ بى؟ قال: من أطاعني و خل الجنة، ومن عصاني فقد أبى "[22] اس کے مقابلے میں اگر مخبر ضعیف اور متروک ہو گا تو اس کو رد کیا جائے گا بلکہ اس پر جرح ہو گی اس کی خبر کی تحقیق کی جائے گی کیونکہ علم الاسناد کی ابتدائی سے ہی اصول و ضوابط وضع ہو چکے ہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی اپنی خواہش کے مطابق دین میں کوئی بات شامل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے قرآن کی حفاظت کی ہے ویسے ہی سنت کو بھی محفوظ رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بات پر کسی اور کی بات کو تقدم حاصل نہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿٨﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا" [23] اس آیت مبارکہ میں ایمان کے بعد عزت اور توقیر کا ذکر ہے "تعزیر" کے معنی تعظیم کے ساتھ مدد کرنا اور "توقیر" کے معنی عزت، وقار اور شان کے ہیں۔ تو معنی یہ ہوا کہ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑھ کر اگر کسی کی عزت، وقار اور شان کا خیال رکھا جائے گا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذات ہو گی۔ جیسا کہ ابن عباس کا قول ہے سورۃ الحجرٰت کی تفسیر میں: "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ"[24] ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "کوئی بات بھی کتاب و سنت کے خلاف نہ کہی جائے"۔ یعنی دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے یہ تمام باتیں تعزیر اور توقیر میں شامل ہیں۔ امام مالک کا ایک مشہور قول کہتے ہیں: " السنة كسفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف غرق "[25] امام شافعیؒ امام احمد کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "أنتم أعلم بالحديث والرجال مني فاذا كان الحديث الصحيح فأعلموني إن شاء يكون كو فيا أوبصر يا اوشا مياحتى اذهب إليه اذاكان صحيحاً"[26] اسی طرح امام احمد اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے: "لاتقلدني، ولا تقلد مالكاً ولا الشافعيَّ، و خُذْ من حديث أخذنا"

کذب کی مذمت اور تنبیہ میں نبوی ﷺ کے ارشادات

امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کے مقدمے میں ابو ہریرہؓ سے روایت ذکر کی ہے آپؐ نے فرمایا: "سيكون في آخر امتي اناس يحدثونكم مالم تسمعوا أ نتم ولا آباؤكم فإيَّا كم و ايَّاهم" اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگ جھوٹی باتیں بھی آپؐ کی طرف منسوب کریں گے اور یہ کام صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ہی شروع ہو چکا تھا ابن عباسؓ کے پاس بشیر بن کعب العدوی آئے اور حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن عباسؓ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور نہ ہی ان کی بات سنی وہ کہنے لگے اے ابن عباس کیا بات ہے میں تمہیں حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر کوئی توجہ ہی نہیں کر رہے تو ابن عباس فرماتے ہیں ایک وقت وہ بھی تھا جب کوئی " قال رسول اللہ ﷺ " کہتا تو فوراً نظریں اس کی طرف لپکتیں اور کان اس کی بات پر متوجہ ہوتے لیکن جب لوگوں نے ہر کچی پکی بات آپؐ کی طرف منسوب کرنا شروع کر دی تو پھر ہم صرف وہی بات قبول کرتے ہیں جس بات کو ہم جانتے ہیں[27]۔ ابن عباس کے اس واقع سے وضع حدیث کی طرف اشارہ ملتا ہے اور روافض اس کام میں پیش پیش تھے۔ اسی لیے محدثین نے علم الاسناد میں اس قدر محنت کی ہے کہ بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر جرح کرتا ہوا دیکھائی دیتا ہے۔ جھوٹے لوگ جب بھی کوئی اچھی بات معلوم کرتے تو اس کی سند بنا لیتے جیسے کہ محمد بن سعید الشامی المصلوب کہتا

ہے۔"إني لأسمع الكلمة الحسنة، فلا أرى بأسا أن أنشيء لها إسنادًا"[28] خطیب بغدادی محمود بن غیلان کی سند سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے مؤمل سے سنا ان کے پاس فضائل قرآن پر ایک حدیث ذکر کی گئی وہ کہتے ہیں مجھے ثقہ راوی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھے جس نے بیان کیا وہ ثقہ راویوں میں شمار کیا جاتا ہے مؤمل کہتے ہیں میں مدائن آیا تو میری ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جو یہ حدیث بیان کر رہا تھا میں نے اس سے سوال کیا تم نے کس سے سنا وہ کہنے لگا جس سے میں نے سنی وہ بصرہ میں ہے میں اس کے پاس آیا وہ کہنے لگا میں نے جس سے سنی وہ بواسط (علاقہ) کا رہنے والا ہے میں اس شیخ کو ملا میں نے اسے کہا کہ میں ان تمام لوگوں سے مل کر آیا ہوں اصل بات کیا ہے وہ کہنے لگا ہم ایک جگہ پر جمع ہوئے اور لوگوں کی رغبت قرآن میں محسوس کی تو ہم فضائل میں یہ حدیث بنالی[29]۔ امام نسائیؒ نے چار معروف کذاب کا ذکر کیا جو احادیث اپنی طرف سے بنانے میں مشہور تھے۔

(1) ابراہیم بن اَبی یحیی یہ مدینہ کا رہنے والا تھا۔

(2) واقدی یہ بغداد کا رہنے والا تھا۔

(3) مقاتل بن سلیمان بن بشیر الأزدی یہ خراسان کا رہنے والا تھا۔

(4) محمد بن سعید یہ شام کا رہنے والا تھا۔

محدثین نے ایسے لوگوں کا خوب تعاقب کیا ہے بلکہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق تو حضرت علیؓ نے ایسے لوگوں کو ہی زندہ جلا یا تھا جو اپنے پاس سے ہی فضائل میں حدیثیں گڑھ کر بیان کرتے تھے ائمہ حدیث نے ایسے لوگوں کی روایات کو بالکل قبول نہیں مانا۔[30]

صحابہ کرام کی روایت حدیث میں احتیاط

صحابہ کرامؓ کا جھوٹ کے قریب جانا تو ابعد الابعاد تھا وہ تو حدیث کی روایت میں بھی بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابہ میں سے ہیں آپ تمام غزوات میں آپؐ کے ساتھ شریک رہے خاص خادم ہونے کی وجہ سے آپ کو "صاحب النعل"، "صاحب الوسادة" اور "صاحب المطہرة"۔ جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے ان القاب سے بھی جانے جاتے ہیں کیونکہ آپؐ کی یہ خدمتیں اکثر انہی کے سپرد ہوا کرتی تھیں ان کے بارے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو قرآن کریم بالکل اسی طرح پڑھنا ہو جس طریقے سے نازل ہوا ہے تو عبداللہ بن مسعود کے طریقے کے موافق پڑھے۔
ان تمام باتوں کے باوجود ابو عمرو شیبانیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود کے پاس رہا۔ میں نے کبھی ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کرتے ہوئے نہیں سنا لیکن کبھی اگر حضور ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تو بدن پر کپکپی آجاتی تھی۔ عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابن مسعودؓ کے پاس آتا رہا لیکن کبھی کوئی بات آپؐ کی طرف منسوب کرتے ہوئے نہیں سنا ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے زبان سے یہ نکلا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تو بدن کانپ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پیشانی پر پسینہ آگیا اور فرمانے لگے انشاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب فرمایا تھا[31]۔ صحابہ کرامؓ کی یہ احتیاط اس لیے تھی کہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف جھوٹ نقل کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ ایسے ہی محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ انس بن مالکؓ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو اس کے بعد کہتے "اَوْ کما قال رسول اللہ ﷺ" حدیث کے بیان میں اس قدر صحابہ کرام احتیاط کرتے تھے۔[32]

سنت اور قرآن کا باہمی تعلق

قرآن و سنت کا آپس میں گہرا تعلق ہے دونوں کو ایک دوسرے سے ہر گز جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے باہمی تعلق کی مختلف نوعیتیں درجہ ذیل ہیں۔ بعض اوقات سنت اور قرآن میں کلی معنوی مطابقت و موافقت پائی جاتی ہے جیسے بخاری و مسلم کی حدیث عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آپؐ سے سوال کیا "ای الذّنبِ اکبر عنداللہ؟ قال: ان تدعوللّٰہ ندًا وھو خَلَقَکَ قال: تم اَیَّ ؟ قال: ان تقتل ولَدَکَ مخافۃ ان یطعم مَعَکَ قال ثم ای؟ قال: ان تز انی حَلِیلَۃ جارک "[33]سورۃ الفرقان کی آیات میں اس کی تصدیق موجود ہے۔ بعض اوقات سنت، قرآنی الفاظ کے ممکنہ معانی میں سے کسی ایک کا تعین کرتی ہے: مثلاً تیسری طلاق کے بعد بیوی حرام ہو جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ "[34]عربی میں نکاح کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا لیکن اس آیت میں "نکاح" سے مراد مبنی تعلق ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ایک عورت سے کہا "حتی تذوقی عُسیلَتہٗ" یہاں تک کہ تو اس (دوسرے شوہر) کا شہد نہ چکھ سکے (پہلا شوہر تجھے حلال نہ ہو گا) بعض اوقات سنت، افعال کے "فاعل" کا تعین کرتی ہے مثلاً "عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى "[35]اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون ترش رو ہوا؟ اعمیٰ (اندھا) کون ہے؟ سنت سے عَبَسَ وتولی کے "فاعل" کی صراحت ہوتی ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور "اعمیٰ" (اندھے) سے مراد حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ صحابی رسول ہیں۔ بعض اوقات سنت، قرآنی حکم کی علت بیان کرتیارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ[36]اس حرمت کی علت سنت میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔ "واذ افعلتم ذالک قطعتُمْ ارْحامَکُمْ" بعض اوقات سنت قرآنی حکم کا نصاب مقرر کرتی ہے قرآن میں ہے: "وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا"[37] بظاہر قرآن کے اس حکم سے معمولی چوری پر بھی ہاتھ کاٹا جاسکتا ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے سنت رسولؐ نے چوری کی سزا کا نصاب مقرر کیا ہے: "لا تقطع یدالسارق الافی ربع دینا " مندرجہ بالا امور سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کو ایک دوسرے سے ہر گز جدا نہیں کیا جاسکتا سنت کے بغیر، قرآن کی تفسیر ناممکن ہے۔ اگر کوئی قرآن کو حدیث کے بغیر سمجھنے کی مذموم کوشش کرے گا تو خود بھی بھٹکے گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرئے گا۔ اب یہ دونوں چیزیں ہمارے پاس کتابی صورت میں محفوظ ہیں جن میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ بعض گمرہ قسم کے عقائد رکھنے والے حدیث کی اسنادی حیثیت کو مشکوک بنانے کی مضموم کوشش کرتے ہیں جبکہ یہ دونوں ہی منزل من اللہ ہیں۔ جس طرح آپ ﷺ کے زمانے میں کتاب اللہ کی کتابت کی گئی اسی طرح کتابت حدیث کا بھی باقائدہ اہتمام کیا گیا جس پر ڈاکٹر اعظمیؒ نے الجامع الکامل کے مقدمہ میں کچھ اس طرح بحث کی ہے۔

کتابت حدیث کے مراحل

للہ تعالیٰ نے جیسے قرآن کریم کی حفاظت کا اہتمام کیا ہے اسی طرح نبیؐ کی سنت اور حدیث کو محفوظ کرنے کے لیے ہر دور میں ایسے متقی اور صالح لوگوں کو منتخب کیا جنہوں نے اس علم کو محفوظ کرنے کے لیے اپنی زندگیاں اسی کام کے لیے وقف کر دیں۔ پانچویں صدی ہجری کے آخر تک مسانید، جوامع اور سنن کے علاوہ صرف جرح و تعدیل پر تین سو پچاس کتابیں مدون ہو چکی تھیں، اور ہر چھوٹے بڑے شہر سے آپؐ کی احادیث کو مدون کیا جاچکا تھا۔ امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ آپ اللہ کی زمین پر

ابدال کو جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں فرمانے لگے اللہ کی زمین پر ابدال اصحاب الحدیث ہیں۔ اسی طرح قبیصہ کہتے ہیں میں نے سفیان سے سنا وہ کہا کرتے تھے آسمان کے محافظ ملائکہ ہیں اسی طرح زمین پر نبیؐ کی حدیث کے محافظ اصحاب الحدیث ہیں۔[38]

پہلی صدی ہجری میں کتابت حدیث

مستند رویات سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نہ صرف کتابت حدیث کی اجازت دی تھی بلکہ انہیں اس کی ترغیب بھی دلائی تھی۔ پہلی صدی ہجری جن حضرات نے احادیث کو لکھ کر محفوظ کیا وہ درج ذیل ہیں۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور کتابت حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص کو رسول اللہ ﷺ نے بطور خاص احادیث تحریر کرنے کی ہدایت فرمائی تھی حضرت ابوہریرہؓ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ نے لکھنے کی اجازت طلب کی اور آپ ﷺ نے انہیں اجازت عطا فرمائی۔ چناچہ انہوں نے حدیث کا ایک ضخیم مسودہ تیار کیا جس کا نام "الصحیفہ الصادقہ" رکھا ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ اس میں ایک ہزار احادیث تھیں اور وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ میں نے براہ راست نبی ﷺ سے سنا ہے یہ مسودہ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کے پاس رہا آپ کے پوتے عمرو بن شعیبؒ اسی سے حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اکابر محدثین مثلا امام بخاری، امام مالک، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے عمرو بن شعیب کی مرویات پر اعتماد کیا ہے اور یہ صحیفہ مسند احمد میں مکمل شامل ہے[39]۔

حضرت انس بن مالکؓ اور کتابت حدیث

یہ وہ صحابی ہیں جو لکھنا جانتے تھے دس سال کی عمر میں آپ ﷺ کے پاس آئے اور دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کرتے رہے اس دوران بے شمار احادیث سننے کا موقع ملا اور ان احادیث کو تحریر کرتے رہے ان کے شاگرد سعید ابن ھلالؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم آپؓ سے اصرار کرتے تو آپ ہمارے پاس کچھ تحریری یادداشتیں لاتے اور فرماتے یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ سے سنی اور تحریر کی ہیں[40]۔

ابوہریرہؓ اور کتابت حدیث

حضرت ابوہریرہؓ نے قبول اسلام کے بعد اپنی پوری زندگی احادیث کو نقل اور حفظ کرنے میں وقف کر دی تھی۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریعہ معاش بھی اختیار نہیں کیا بلکہ مسجد نبوی میں ہی مقیم ہوگئے تھے۔ ان کے شاگرد حسن ابن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ انہیں اپنے گھر لے گے اور احادیث نبوی ﷺ پر مشتمل کئی ایک کتابیں دکھائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؓ کے پاس کئی مسودات احادیث تھے یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ آپ کے شاگردوں نے بھی آپ ﷺ کی احادیث کے کئی مجموعے تیار کیے تھے ان میں سے ایک شاگرد ہمام بن منبہ کا صحیفہ جو ماضی قریب میں ہی دریافت ہوا ہے۔ اس پر کافی سارا تحقیقی کام ہوا اس صحیفہ کی احادیث کا بخاری اور مسند احمد کی احادیث سے جب موازنہ کیا گیا تو اس میں باہم کوئی فرق نہیں ملا[41]۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور کتابت حدیث

حفظ حدیث اور کتابتِ حدیث آپ کا شوق تھا۔ آپ صحابہ کرامؓ سے بار بار دریافت کرتے اور انہیں جو بھی حدیث ملتی اسے لکھا کرتے آپ کے مجموعے اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ انہیں اونٹ پر لادا جاتا تھا ان کے بعد یہ مسودات آپ کے شاگرد اور تابعی

کریبؒ کے پاس منتقل ہوئے مشہور مورخ موسی بن عقبہ کا بیان ہے کہ کریبؒ نے ہمارے لیے ابن عباس کی کتب کا اونٹ بھر بوجھ چھوڑا جب علی بن عبد اللہ بن عباس کو کسی کتب کی ضرورت ہوتی تو وہ کریب کو لکھ بھیجتے کہ مجھے فلاں فلاں کتب بھیج دیں۔ یوں آپ کے شاگردوں کے درمیان یہ کتابیں متداول رہی اور نقل در نقل ہو کر موجودہ مؤلفات کی شکل میں ہم تک پہنچ گیئں۔

حضرت جابرؓ اور کتابتِ حدیث

آپ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انیس غزوات میں شرکت فرمائی۔ مسجد نبویؐ میں درس حدیث دیا کرتے تھے۔ وھب بن منبہ جو ھمام بن منبہ کے بھائی ہیں آپ کی بیان کردہ احادیث قلم بند کرتے تھے خود حضرت جابرؓ نے دو مسودے تحریر کیے تھے ان میں سے ایک میں آپ ﷺ کے آخری حج کی تفصیلات درج تھیں اس مسودے کا مکمل متن صحیح مسلم میں موجود ہے دوسرے مسودے میں آپ ﷺ کی متفرق موضوعات کے متعلق احادیث تحریر فرمائی تھیں آپؓ کے مشہور شاگرد قتادہؒ فرماتے ہیں مجھے حضرت جابرؓ کا صحیفہ سورۃ البقرہ سے بہتر طور پر یاد ہے۔ اس مسودے کا حوالہ مصنف عبد الرزاق میں موجود ہے۔ ان صحابہ میں اکثر وہ لوگ شامل ہیں جو قرآن کی کتابت و تدوین کیا کرتے تھے۔ انس بن مالکؓ کہا کرتے تھے "اے میرے بیٹوں اس علم کو قید کرو" یعنی علم حدیث کو محفوظ کرو یہ کہنا کہ احادیث کی تدوین کا کام اولین دور میں نہیں کیا گیا بلکہ عمرو بن عبد العزیز کے دور خلافت میں شروع ہوا یہ خیال بالکل غلط اور علمی و تاریخی حقائق کے خلاف ہے[42]۔

دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث

اصحاب رسول ﷺ کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ 99ھ میں عمرو بن عبد العزیزؒ مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے تو آپ نے اپنے تمام عمال کو لکھا (انظر و احدیث رسول اللہ ﷺ فاجمعوہ) "کہ حدیث رسول ﷺ کو ڈھونڈو اور جمع کرو" آپ نے مدینہ کے فقیہ و قاضی ابو بکر بن عمرو بن حزم خزرجی (120ھ) کو بھی یہی بات لکھی اس کی تعمیل میں ایک مجموعہ تو خود قاضی ابو بکر نے تیار کیا اور دوسرا امام محمد بن عبد اللہ شہاب زہریؒ (124ھ) نے ترتیب دیا[43]۔

دوسری صدی کے مجموعے احادیث

دوسری صدی میں حدیث کو پھیلانے اور ضبط کرنے میں جن لوگوں نے بہت کوشش کی ان میں سے چند ایک نام درجہ ذیل ہیں۔

نمبر شمار	نام	سکونت	سال وفات
1	سعید بن جبیرؒ	کوفہ	95ھ
2	خارجہ بن زید بن ثابت	مدینہ	99ھ
3	ہمام بن منبہ	یمن	102ھ
4	طاؤس بن کیسان	ہمدان	105ھ
5	محمد بن اسحاقؒ	بغداد	105ھ
6	قتادہ بن دعامہ	بغداد	107ھ
7	سفیان بن عینیہ	کوفہ	107ھ

8	خواجہ حسن بصری	بصرہ	110ھ
9	وہب بن منبہ	یمن	114ھ
10	ابن شہاب زہری	مدینہ	124ھ
11	حماد بن ابی سلیمان	کوفہ	130ھ
12	امام ابو حنیفہ	کوفہ	150ھ
13	ابن جریج	مکہ	150ھ
14	ابن یسار	مدینہ	151ھ
15	اوزاعی	دمشق	157ھ
16	سفیان ثوری	بصرہ	161ھ
17	حافظ ابن لہیعہ	مصر	174ھ
18	امام مالک	مدینہ	179ھ
19	عبد اللہ بن مبارک	مرو	181ھ
20	ابن جنادہ	مصر	191ھ
21	وکیع بن جراح	نیشاپور	197ھ
22	قزاز معن بن عیسی	مدینہ	198ھ
23	محمد بن حسن الشیبانی	کوفہ (کتاب الآثار کے نام سے کتاب لکھی)	179ھ
24	قاضی ابو یوسف	کوفہ (کتاب الخراج کے نام سے کتاب لکھی)	182ھ
25	عبد اللہ بن مبارک	خراسان (کتاب الذھد کے نام سے کتاب لکھی)	181ھ
26	ربیع بن صبیح السعدی البصری	بصرہ	160ھ

ان کے بارے امام رامھرمزی فرماتے ہیں یہ پہلے مصنف تھے جنہوں نے اپنی کتاب میں ابواب بنائے ان کے علاوہ بھی مصنفین کی بہت بڑی تعداد ہے۔ جو دوسری صدی ہجری میں اسلامی حدود میں پھیلے ہوئے تھے۔ متشرقین نے یہ غلط فہمی پھیلائی ہے کہ احادیث کو ابن شہاب زہری نے خود سے تصنیف کیا جبکہ تغلیط وتحریف تو اہل کتاب کا خاصہ ہے اپنی میراث پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد یہاں بھی نقب لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، خلیفہ راشد عمرو بن عبد العزیزؒ نے جو سرکاری طور پر ذمہ داری ابن شہاب زہری کو سونپی تو اسکی وجہ ان کی علم حدیث پر گہری اور دقیق مہارت ہونے کی وجہ سے تھی، جس پر معاصر اہل فن نے اعتماد کیا تھا۔ ان تمام مصنفین کا منہج یہ تھا کہ انہوں نے آپ ﷺ کی احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہ اور تابعین کے فتاوی جات کو بھی جمع کیا تھا۔[44]

تیسری صدی ہجری میں تدوین حدیث

جب تیسری صدی ہجری شروع ہوئی تو اس میں حدیث رسول ﷺ کو لکھنے اور جمع کرنے کا ایک خاص طریقہ مشہور ہوا جس میں محض رسول ﷺ کی حدیثیں جمع کی گئیں ان میں صحابہ کے اقوال و افعال شامل نہیں کیے گے اور کثرت سے مسانید اور سنن لکھنے کا رواج عام ہوا۔ اس دور کے صاحب مسند و سنن درج ذیل ہیں۔

- محمد بن ادریس الشافعی (متوفی 204ھ) صاحب کتاب الام
- ابو داود الطیالیسی (متوفی 204ھ) صاحب المسند
- عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی (متوفی 211ھ) صاحب المصنف
- اسد بن موسی (متوفی 212ھ) صاحب مسند
- الحمیدی: عبداللہ بن الزبیر (متوفی 229ھ) صاحب مسند
- مسدد بن ھد البصری (متوفی 229ھ) صاحب مسند
- سعید بن منصور (متوفی 227ھ) صاحب السنن
- نعیم بن حماد (متوفی 235ھ) صاحب مسند
- ابو بکر بن ابی شیبۃ (متوفی 235ھ) صاحب مصنف
- اسحاق بن راھویہ (متوفی 238ھ) صاحب مسند
- احمد بن حنبل (متوفی 241ھ) صاحب مسند
- یحیی بن ابی عمر العدنی (متوفی 243ھ) صاحب مسند
- عبد بن حمید (متوفی 249ھ) صاحب مسند
- ان کے بعد آنے والے مؤلفین و محدثین نے اسی لکھے ہوئے مواد پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی تصانیف کی بنیاد رکھی ان میں مشہور اصحاب الستہ ہیں۔
- ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (متوفی 256ھ) صاحب الصحیح
- ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری انیشاپوری (متوفی 261ھ) صاحب الصحیح
- ابوعبداللہ محمد بن یزیر المعروف ابن ماجہ القزوینی (متوفی 273ھ) سنن
- ابو داود سلیمان بن اشعث الازدی السجستانی (متوفی 275ھ) سنن
- ابوعیسی محمد بن عیسی (متوفی 279ھ) سنن
- ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب بن علی انسائی (متوفی 303ھ) سنن[45]

ان کے بعد آنے والے چوتھی صدی کے مصنفین نے کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کیا سوائے سابقہ لوگوں کے ساتھ اپنی سند ملانے کے ان میں جو مشہور ہیں وہ درجہ ذیل ہیں۔

- ابن خزیمۃ (متوفی 311ھ) صاحب صحیح
- الطحاوی (متوفی 321ھ) صاحب معانی الآثار و تایل مشکل الآثار

- ابن حبان (متوفی354ھ) صاحب الصحیح
- الطبرانی (متوفی360ھ) صاحب المعاجم الثلاثۃ
- الدار قطنی (متوفی380ھ) صاحب السنن

اسی طرح ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جو پانچویں صدی کے آخر تک پھیلی ہوئی ہے کیونکہ روایت بیان کرنے کا یہ آخری دور تھا اس دور میں احادیث کی کتب تالیف کرنے کا جو منہج اور طریقہ کار تھا وہ مؤلف سے سماع کرنے کا تھا یا مصنف سے متصل سند حاصل کی جاتی تھی تالیف کے دوران کتابوں کے نام وغیرہ ذکر نہیں کیے جاتے تھے اس کی واضح مثال امام بخاریؒ "موطا الامام مالک" سے مرفوع روایت بیان کرتے ہیں اپنے استاد شیخ عبد اللہ بن یوسف التنیسی سے وہ مالکؒ سے لیکن اس میں انہوں نے موطا کا نام ذکر نہیں کیا۔[46]

خلاصۂ بحث

ڈاکٹر ضیاء الرحمان اعظمیؒ کی علم حدیث میں تصنیفات کا جہاں تک تعلق ہے ان میں "الجامع الکامل" انتہائی معتبر علمی کاوش ہے شیخ اعظمیؒ نے اس کتاب کے شروع میں "المدخل" کے نام سے ایک مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے جو کہ تقریبا تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔اس مدخل کی ابتدا آپ نے سندِ حدیث سے کی ہے کیونکہ علوم الحدیث سے شغف رکھنے والوں کے لیے سند کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ تدوین حدیث کے زمانے میں تو ایک ایک حدیث کو سند کے ساتھ سنایا اور روایت کیا جاتا تھا اس کے بعد اتباع رسول اور اطاعت رسول پر دلائل پیش کرتے ہوئے حدیث کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ پھر قرون اولی سے قرون ثالث تک کے محدیثین کا تذکرہ ان کی تصانیف کے مقام و مرتبے کے ساتھ کرتے ہیں۔ محدثین ستہ اور دیگر محدثین جنہوں نے صرف صحیح احادیث کو جمع کیا ہے انکے مناہج پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں، الجامع الکامل کا سبب تالیف اور اس میں اپنا اختیار کردہ منہج بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں، المدخل کے آخر میں فضائل اور احکام کی احادیث میں محدثین کے مناہج کو بیان کرتے ہوئے اپنی رائے کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

References

[1] Dr. M Zia Ur Reḥmān A'azmī, Al-Jām'e al-Kāmil (Lahore: Maktbha Bait al-Islām, 2020AD), I: 134.
[2] Ibn Manzūr Al-Anṣārī, Lisān al-Arab (Beirūt: Maktbah Dār Ṣādar, 2003AD), 3: 121.
[3] Ḥāfiz Ibn Ḥajar 'Asqalānī, Nuzha al-Nazar (Qāhra: Dār al-Kutub, 2007AD), 34.
[4] Muhammad Ibn Ismā'īl Al-Bukhārī, Al-Jām'I al-Ṣaḥīḥ (Dimishq: Dār Tauq al-Najah, 1422AH), I: 234.
[5] Muhammad Ibn Idrīs Shāf'ī, Al-Jāmi' al-Ṣahīḥ (Beirūt: Dār Aḥyā al-Turāth), I: 15.
[6] Imām Muslim, Muqdma Ṣaḥīḥ Muslim, I: 17.
[7] Abū Sa'īd al-Sam'ānī, Adab al-Imlā wal-Istimlā(Riyaz: Al-Jam'īt al-Ilmiya, 2016AD), 38.
[8] Imām Muslim, Muqdma Ṣaḥīḥ Muslim, I: 14.
[9] Imām Abdullah al-Ḥākam, Ma'rifah Ulūm al-Ḥadīth (Misar: Dār al-Kutub, 1990AD), 6.
[10] Ibn Ḥabān, Kitāb al-Thiqāt (Beirūt: Dār al-Kutub al-Ilmya, 2011AD), 9: 294.
[11] A'azmī, Al-Jām'e al-Kāmil, I: 22.

[12] Al-Madkhal Ilā al-Jāmiʿ al-Kāmil, 23.
[13] Muhammad 47: 33.
[14] Muhammad Ismāʿīl al-Salfī, Ḥajiyat Ḥadīth (Lahore: Maktbah Islāmiya, 2006AD), 12.
[15] Muhammad Ibn Isḥaq al-Naisā Pūrī, Ṣaḥīḥ Ibn Khuzaima (Beirūt: Al-Maktab al-Islamī), 2477.
[16] Al-Naḥal 16: 44.
[17] Muhammad Abdullah al-ʿAzmī, Al-Jāmiʿ al-Kāmil Fī al-Ḥadīth al-Ṣaḥīḥ al-Shāmil (Lahore: Maktbah Bait al-Islam, 2020AD), 1: 52.
[18] Al-Madkhal Ilā al-Jāmiʿ al-Kāmil, 1: 46.
[19] Al-Nūr 24: 63.
[20] Al-Ḥashar 59: 7.
[21] Abū bakar Muhammad Ibn Ismāʿīl Khuzaima, Ṣaḥīḥ ibn Khazīma (Beirūt: Al-Mkatab al-Islāmī, 2000AD), Ḥadīth: 1597.
[22] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 33.
[23] Al-Fataḥ 48: 7, 8.
[24] Al-Ḥujrāt 49: 1.
[25] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 34.
[26] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 24.
[27] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 68.
[28] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil , 1: 41.
[29] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 55.
[30] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil , 1: 42.
[31] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 63.
[32] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil , 1: 43.
[33] Imām Muslim, Ṣaḥīḥ Muslim, 5: 86.
[34] Al-Baqra 2: 230.
[35] Aʿbsa 80: 1, 2.
[36] Al-Nisā 4: 23.
[37] Al-Māida: 5: 38.
[38] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 56.
[39] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 59.
[40] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 59.
[41] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 60.
[42] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 61.
[43] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 61.
[44] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil , 1: 61, 62.
[45] Aʿazmī, Al-Jāmʿe al-Kāmil, 1: 62, 63.
[46] Imām Shamas al-Dīn Sarkhasī, Siyar Aʿalām al-Nablā (Qāhira: Al-Maktba al-Taufiqya, 2014AD), 2: 584.